عہدِ نبوی کے
غزوات وسرایا اور اُن کے مآخذ پر ایک نظر

از سعید احمد اکبر آبادی

(۳)

حافظ ابن عبد البر کا بیان ہے کہ عقبۂ ثالثہ کی بیعت ختم ہو جانے کے بعد ہی آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کا حکم دیا تو سب سے پہلے ابوسلمۃ بن عبد الاسد المخزومیؓ روانہ ہوئے۔ ان کی بیوی ام سلمۃ بنت ابی امیہ اس وقت ان کے ساتھ نہیں جا سکی تھیں۔ یہ مکہ میں ہی رہ گئیں، کم وبیش ایک برس کے بعد جب ان کو اجازت ملی تو عثمان بن ابی طلحہ جو اب تک مسلمان نہیں ہوئے تھے انھوں نے اُن کو اپنی حفاظت میں مدینہ پہنچایا۔ ابوسلمہ کی ہجرت کے بعد مسلمان مردوں اور عورتوں کے قافلے یکے بعد دیگرے روانہ ہوئے۔ یہ سب حضرات عزیز قریب، مال ومتاع جاگیر اور جائداد۔ غرض اپنا سب کچھ مکہ میں چھوڑ چھاڑ کر بے سروسامان چلے جا رہے تھے اور ان کی حالت اس وقت مولانا محمد علی مرحوم کے اس شعر کا مصداق تھی:۔

میں کھو کے تری راہ میں سب دولتِ دُنیا — سمجھا کہ کچھ اس سے بھی سوا میرے لئے ہے

لہ بعض روایات میں ہے کہ سب سے پہلے مہاجر مصعب بن عمیر ہیں

ان مہاجرین میں حضرت عمرؓ۔ حضرت عثمانؓ بن عفان۔ حضرت حمزہؓ۔ حضرت زبیرؓ بن عوام، اور خواتین میں حضرت زینب بنتِ جحشؓ اور ان کی دونوں بہنیں بھی تھیں، مدینہ میں انصار کی آبادی منتشر تھی، ان کا ایک قبیلہ بنی عمرو بن عوف قبا میں آباد تھا جو مدینہ سے تین میل کی مسافت پر تھا۔ اکثر مہاجرین نے قیام نہیں کیا۔ بعض حضرات عوالی میں مقیم ہوئے، کوئی کسی کے پاس ٹھہرا اور کوئی کسی کا مہمان ہوا[1]۔ غرض اب تک جو مرد اور عورتیں مسلمان ہو چکے تھے اور مکہ میں موجود تھے، وہ سب ایک ایک کر کے خاموشی سے مدینہ پہنچ گئے۔

اب مکہ میں صرف آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم۔ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت علیؓ رہ گئے تھے جو مسلمان افلاس وتنگدستی یا کسی اور مجبوری کے باعث ہجرت نہ کر سکے تھے، قرآن مجید میں ان کی نسبت ارشاد ہوا :۔

وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا وَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا وَّاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ نَصِيْرًا۔ (النساء)

اور ان کمزور مردوں، عورتوں اور بچوں کے لئے (تم کیوں جنگ نہیں کرتے) جو کہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار تو ہمیں اس آبادی سے نکال جس کے باشندے ظالم ہیں۔ اے رب تو خود ہی کسی کو اپنی طرف سے ہمارا حامی اور مددگار بنا

ہجرت نبوی اب آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ہجرت سے مانع کیا امر ہو سکتا تھا لیکن آپ حکم الٰہی کے منتظر تھے اور ادھر اللہ تعالیٰ کو کفارِ قریش پر اپنی حجت کو تمام کرنا تھا۔ اُس کی صورت

---

[1] حافظ ابن عبدالبر نے اور ان کے تتبع میں ابن حزم نے مجموع السیر میں ان مہاجرین اور مہاجرات کے نام لکھے ہیں، لیکن اس سے صحیح تعداد کا پتہ نہیں چل سکتا، کیوں کہ اُن کے لکھنے کا انداز یہ ہے مثلاً: بنو جحش کے ساتھ بنو اسد کی ایک جماعت نے بھی ہجرت کی اور اُن میں یہ اصحاب بھی تھے، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ہر قبیلہ کے نمایاں مردوں اور عورتوں کا تذکرہ کرتے ہیں۔

یہ ہوئی کہ عقبۂ ثالثہ میں بیعت اور مدینہ کی طرف ہجرت کا فیصلہ اس خاموشی کے ساتھ ہوا تھا کہ قریش تو درکنار انصار میں بھی اب تک جو لوگ مسلمان نہیں ہوئے تھے انھیں بھی کانوں کان اس کی خبر نہیں ہوئی تھی۔ ابن ہشام اور دوسرے ارباب سیر کا بیان ہے کہ آخرکار جب انھیں اس کا علم ہوا کہ انصار میں ایک بڑی تعداد مسلمان ہوگئی ہے اور مکہ میں پہلے سے جو مسلمان تھے وہ بھی سب مدینہ پہنچ گئے ہیں اور اس طرح اسلام کے قدم مدینہ میں مضبوط ہوگئے ہیں تو چوں کہ قریش کے تجارتی قافلے جو شام آتے جاتے تھے، مدینہ طیبہ ان کی گذرگاہ میں پڑتا تھا اس بنا پر ان کو اندیشہ ہوا کہ مسلمان ان قافلوں سے تعرض کریں گے۔ ظاہر ہے یہ معاملہ ان کے لئے موت وحیات کا مسئلہ تھا۔ اس لئے انھوں نے دارالندوہ میں ایک مجلسِ شاورت منعقد کی، قریش کے تمام اکابر اور ارباب رائے موجود تھے، اصل معاملہ پر جب بحث ہوئی تو ابوالبختری بن ہشام نے رائے دی کہ حضور کو قید کردیا جائے، ابوالاسود ربیعہ بن عمیر نے کہا کہ آپ کو جلاوطن کیا جائے، لیکن مجمع نے ان دونوں رایوں کو رد کردیا اور آپ کے قتل کر دینے پر سب متفق ہوگئے، اس کی صورت انھوں نے یہ نکالی کہ قریش کے ماتحت جو چھوٹے چھوٹے قبیلے ہیں اُن میں سے ہر قبیلہ اپنا ایک بہادر نوجوان منتخب کرے اور یہ سب بیک وقت حضور پر حملہ آور ہوکر (شُلّت ایدیہم) آپ کا کام تمام کردیں۔ اس طرح بنو ہاشم کا سب سے مقابلہ کرنا دشوار ہوگا۔

اور اگر خون بہا دینا بھی پڑا تو وہ سب پر تقسیم ہوجائے گا، ادھر ان لوگوں نے یہ منصوبہ تیار کیا اور اُدھر اللہ تعالیٰ نے آپ کو ترکِ وطن کا حکم دیا۔ چنانچہ جس شب میں ان لوگوں نے کاشانۂ نبوی کا محاصرہ کیا کہ صبح کو آپ گھر سے نکلیں گے تو یہ اپنے ارادہ کی تکمیل کریں گے اسی شب میں آپ کے پاس لوگوں کی جو امانتیں تھیں انھیں حضرت علیؓ کے سپرد کیا کہ وہ ان کے مالکوں کو واپس کردیں اور پھر مدینہ کا ارادہ کریں اور انھیں اپنے بستر پر لٹاکر شب کے آخری حصہ میں جب کہ عموماً نیند کا غلبہ ہوتا ہے، آپ مکان کی اس کھڑکی (خوخۃ) سے جو حضرت ابوبکرؓ کے مکان کی پشت کی جانب کھلتی تھی، باہر تشریف لائے۔ حضرت ابوبکرؓ کے مکان پر پہنچے، وہ پہلے سے چشم براہ تھے اور کئی مہینے سے دو

ونٹنیوں کو خوب کھلا پلا کر تیار کر رکھا تھا۔ انھوں نے عرض کیا: حضور! ایک اونٹنی آپ پسند فرمائیں"
ارشادِ گرامی ہوا: بہت اچھا! مگر قیمت لینی ہوگی[1] صدیق اکبرؓ کو انکار کی کیا مجال ہوسکتی تھی" چونکہ
پروگرام یہ تھا کہ آپ اور حضرت ابوبکرؓ دونوں تین روز تک غارِ ثور میں روپوش رہیں گے اس لئے
عبداللہ بن اریقط جو اگرچہ کافر تھا مگر آپ نے اُس کو مدینے کے سفر میں رہنمائی کے لئے مقرر فرمایا تھا۔
دونوں اونٹنیاں اُس کے سپرد کیں اور آپ کعبہ پر حسرت کی نگاہ ڈال اور اسے الوداع کہہ کر مکہ سے
روانہ ہوگئے، تین روز غارِ ثور میں قیام فرمایا۔ اس کے بعد عبداللہ بن اریقط حسب قرار داد
دونوں اونٹنیاں لے کر آگیا تو آپ - حضرت ابوبکر صدیقؓ اور اُن کے غلام عامر بن فہیرہ کی معیت
اور عبداللہ بن اریقط کی رہنمائی میں روانہ ہوئے، ارباب سیر نے اس سفر کی ایک ایک منزل کی
روئداد نقل کی ہے، لیکن یہاں اُس کی تفصیل کا موقع نہیں ہے، بہرحال عجیب منظر تھا ایک
شہنشاہِ عرب وعجم اپنے دو ساتھیوں کے ساتھ نامانوس وادیوں کے نشیب و فراز سے گذرتا
اور دشت وجبل کی خاموشیوں کو اپنی سواریوں کی رفتار سے جگاتا ہوا روانہ چلا جا رہا تھا اور مبدأ
فیاض کے حریم قدس سے دشمنوں کی سعی ناکام پر یہ اعلانِ عام ہو رہا تھا۔

وَاِذْ یَمْکُرُ بِکَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لِیُثْبِتُوْکَ اَوْ یَقْتُلُوْکَ اَوْ یُخْرِجُوْکَ ؕ وَیَمْکُرُوْنَ وَیَمْکُرُ اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ خَیْرُ الْمٰکِرِیْنَ۔

(الانفال)

اور اے محمدؐ آپ اُس وقت کو یاد کیجئے جب کفار آپ کے متعلق یہ داؤ چلنا چاہتے تھے کہ وہ آپ کو گرفتار کرلیں، قتل کر دیں یا جلاوطن کر دیں، تو وہ اپنی جیسی تدبیریں کر رہے تھے اور اللہ اپنی تدبیر کر رہا تھا اور اللہ سب سے بہتر تدبیر کرنے والا ہے۔

---

[1] آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس اصرار سے اُن علماء اور مشائخ کو عبرت ہونی چاہیئے جو اپنے مریدوں اور معتقدوں کی آمدنی کے بل بوتے پر عیش وتنعم کی زندگی بسر کرتے اور امیرانہ طرز بود وباش پر ناز رکھتے ہیں۔

بارہ تیرہ دن میں یہ سفر تمام ہوا تو آپ بروز دوشنبہ ۱۲ ربیع الاول[1] کو قبا میں داخل ہو کر قبیلہ بنو عمرو بن عوف کے ایک سردار کلثوم بن الہدم کے مہمان اور حضرت ابو بکرؓ خبیب بن اساف جو بنو الحارث بن الخزرج سے تعلق رکھتے تھے اُن کے ہاں قیام فرما ہوئے، یہاں دو ہفتہ قیام کے بعد آپ شہر مدینہ کی طرف روانہ ہوئے، یہ جمعہ کا دن تھا، محلہ بنو سالم سے گذر رہے تھے کہ نماز جمعہ کا وقت ہو گیا، آپ نے نماز یہیں ادا کی اور خطبہ دیا۔ یہ پہلی نماز جمعہ تھی جو آپ نے پڑھی، اس کے بعد آپ پھر جب روانہ ہوئے اور شہر میں داخل ہوئے تو مختلف حضرات کا اصرار تھا کہ حضور میزبانی کا شرف ان کو عطا فرمائیں۔ لیکن آپ نے اس معاملہ میں حَکَم اپنی اونٹنی کو بنا دیا کہ وہ جہاں بیٹھ جائے گی آپ وہیں قیام فرمائیں گے۔ اونٹنی چلتی رہی اور آخر کار جہاں اب مسجدِ نبوی ہے اُس سے متصل حضرت ابو ایوب انصاری کا مکان تھا۔ حضرت ابو ایوب انصاریؓ بنو نجار سے تھے اور حضورؐ کے ساتھ ان لوگوں کا ددھیالی رشتہ تھا۔ ناقہ انھیں کے مکان کے سامنے آکر بیٹھی اور حضورؐ نے حضرت ابو ایوب انصاری کو شرفِ میزبانی سے نوازا۔ ساتویں مہینے آپ کا مکان جس کی کل کائنات کچی اینٹیں۔ کھجور کے پتے اور ٹہنیاں تھیں تعمیر ہو گیا تو آپ اس میں منتقل ہو گئے، بعد میں حسب ضرورت اس میں اضافہ ہوتا رہا۔

<u>مواخات</u> اب سماجی اور اقتصادی اعتبار سے سب سے بڑا مسئلہ مہاجرین کی آبادکاری کا تھا آج جب کہ تہذیب و تمدن اور وسائل معیشت میں ترقی کے اعتبار سے دنیا کہیں سے کہیں پہنچ گئی ہے پناہ گزینوں کی آبادکاری کا معاملہ اور اُس سے سیاسی، سماجی اور اقتصادی مسائل پیدا ہوتے ہیں وہ اقوامِ عالم کے لئے دردِ سر بنے ہوئے ہیں اور اُن کے حل کے لئے

---

[1] اکثر مورخین سیرت نے قبا میں داخلہ کی تاریخ ۸ ربیع الاول ۱۳ نبوی لکھی ہے لیکن حافظ ابن عبد البر نے بارہ لکھی ہے اور ہمارے نزدیک مکہ سے روانگی کی تاریخ، غار ثور میں قیام اور سفر کی منزلوں کی تعداد کے پیشِ نظر یہی قرین قیاس ہے۔

مجلس اقوامِ متحدہ کے ماتحت ایک مستقل شعبہ ہے، اس لئے دیکھنا چاہیئے کہ اس اہم مسئلہ کو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کس خوش اسلوبی سے اور کس قدر جلد حل فرمایا۔ بقول مولانا شبلی کے کوئی شبہ نہیں کہ "یہ بھی شانِ نبوت کی خصوصیات میں سے ہے،" (سیرت النبی ج ۱ ص ۲۹۰) اس لئے ہم بھی اس داستان کو ذرا تفصیل سے سناتے ہیں۔

مواخات کی حکمت | جیسا کہ آج کل بھی عام قاعدہ ہے آبادکاری کی ایک یہ شکل بھی ہو سکتی تھی کہ ان کے لئے الگ زمینیں خرید کر مکانات بنوا دئے جاتے اور معاش کے لئے کاروبار یا کھیتی باڑی کا انتظام کیا جاتا۔ اور اس مقصد کے لئے جتنے سرمایہ کی ضرورت ہوتی اُس کا کچھ بندوبست تو خود بعض مہاجرین بھی کر سکتے تھے۔ چنانچہ خود حضرت ابوبکرؓ جب مدینہ پہنچے ہیں تو چالیس ہزار درہم آپ کے ساتھ تھے۔ اور یہی حال بعض اور متمول مہاجرین کا تھا۔ اور مزید رقم جو درکار ہوتی اُس کا انتظام انصار بطیب خاطر کر سکتے تھے۔ لیکن آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آبادکاری کے اس طریقہ کے بجائے مواخات کی صورت اختیار فرمائی! اس میں مندرجہ ذیل حکمتیں اور مصلحتیں آپ کے پیشِ نظر تھیں:۔

(۱) مہاجر قدیم الاسلام اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پُرانے صحبت و تربیت یافتہ تھے اور اُن کے بالمقابل انصار نئے نئے مسلمان ہوئے تھے، اس بنا پر حضور نے چاہا کہ دونوں ایک گھر میں رہیں گے تو اس سے انصار کو دینی تعلیم و تربیت میں بہت کچھ مدد ملے گی۔

(۲) مہاجر اور انصار اگرچہ اسلام کے رشتۂ وحدت سے منسلک تھے، لیکن طبیعت کی افتاد اور مزاج کے اعتبار سے دونوں میں بہت فرق تھا۔ مہاجرین تجارت پیشہ لوگ تھے نظم و نسق کی صلاحیت بھی ان میں بہت اچھی تھی اور ان کا معیارِ زندگی اونچا تھا۔ اس کے برخلاف انصار مجموعی حیثیت سے فلاحت و زراعت کا پیشہ رکھتے تھے اور یہ ظاہر ہے ان دونوں طبقوں کا مزاج اور طبیعت یکساں نہیں ہوتے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خیال فرمایا کہ دونوں ہر وقت ایک ساتھ رہیں گے تو اختلافِ طبع کی خلیج بہت کم ہو جائے گی۔

(۳) دنیا کو نبی اُمّی کی سیاسی دانشمندی اور دور اندیشی کی قسم کھانی چاہئیے، آپ کو یہ محسوس ہوا کہ انصار جس ماحول میں رہتے ہیں اُس کے پیش نظر بعید نہیں کہ انھیں کے کنبہ برادری میں ایسے لوگ پیدا ہوں جو منافق ہو کر اسلام اور مسلمانوں کے لئے مار آستین ثابت ہوں (چنانچہ بعد میں ایسا ہوا بھی) آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خیال فرمایا کہ انصار اور مہاجر دونوں ایک جگہ اور ایک ہی گھر میں رہیں گے تو منافقوں کو من مانی کرنے کا موقع زیادہ نہیں ملےگا اور اسلام کے خلاف ان کی خفیہ ریشہ دوانیاں پردۂ راز میں نہ رہ سکیں گی۔

(۴) مہاجر قبیلے دو قبیلے تھے، یہی حال انصار کا تھا۔ اوس اور خزرج تو بڑے قبیلے تھے جن میں عرصہ سے شدید کشمکش چلی آرہی تھی، ان کے علاوہ اور چھوٹے چھوٹے قبیلے مثلاً عبدالاشہل، زفر، حارثہ، عمرو بن عوف، اوس منات، بنو نجار، الحارث، بعل الحبلی اور قواقلہ، مساعدہ، سلیمہ، زریق، بیاضہ وغیرہ تھے جن میں باہم سیاسی رقابت اور چشمک تھی، اس بناپر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خیال فرمایا کہ مہاجرین جو اسلام کی تعلیمات میں منجھے ہوئے ہیں انصار شب و روز اُن کے ساتھ یکجا رہیں گے تو عہد جاہلیت کی یہ یادگاریں اُن کے دل و دماغ کی لوح سے یکسر محو ہو جائیں گی اور وہ سب اللہ کے مومنِ قانت و مخلص بندے بن جائیں گے۔[۱]

(۵) اس مقصد کے پیشِ نظر مواخات صرف انصار و مہاجرین تک محدود نہ تھی۔ بلکہ بعض مہاجر مہاجر کے اور بعض انصار خود انصار کے بھائی بنائے گئے۔

مواخات دو مرتبہ ہوئی | یہ یاد رکھنا چاہئیے کہ مواخات دو مرتبہ ہوئی ہے، ایک تو یہی جو مشہور ہے

---

[۱] اب ذرا اس پس منظر میں غور کیجئے کہ بنگلہ دیش کیوں بنا؟ اور آج پاکستان میں مہاجرین کا کیا حال ہے؟ اور ان سب حالات کی وجہ سے آج پاکستان اپنی تاریخ کے نازک ترین دور سے کیوں گذر رہا ہے؟ سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے لئے صرف عبادات میں اسوۂ حسنہ ہیں اور (معاذ اللہ) معاملات اور سیاسیات اور معاشیات میں نہیں ہیں۔

اور جس کا ذکر ابن ہشام، ابن سعد، امام بخاری، ابن حبیب، ابن کثیر، ابن عبدالبر، ابن سیدالناس، وغیرہ سب نے کیا ہے، یہ مواخات ورودِ مدینہ کے پانچ ماہ بعد انجام پذیر ہوئی، لیکن ابن عبدالبر (ص ۱۰۰) اور اُن کے تتبع میں ابن سیدالناس (جلد اول ص ۱۹۹) نے اس مواخات کے علاوہ ایک اور مواخات کا تذکرہ کیا ہے جو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت سے قبل (۱) حضرت ابوبکرؓ وحضرت عمرؓ (۲) حضرت حمزہؓ اور حضرت زیدؓ بن حارثہ، (۳) حضرت عثمانؓ اور حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف (۴) حضرت زبیرؓ اور حضرت عبداللہؓ بن مسعود، (۵) حضرت عبیدہؓ بن الحارث اور حضرت بلالؓ (۶) حضرت مصعبؓ بن عمیر اور حضرت سعدؓ بن ابی وقاص (۷) حضرت ابوعبیدہؓ اور حضرت سالم مولی ابی حذیفہ۔ (۸) حضرت سعیدؓ بن زید اور حضرت طلحہؓ بن عبیداللہ میں کرائی تھی اس مواخات میں یہ بات خاص طور پر ملحوظ رکھنے کی ہے کہ مندرجہ بالا فہرست میں حضرت بلال اور حضرت سالم دونوں آزاد کردہ غلام ہیں اور اُن کی مواخات اُن حضرات کے ساتھ کرائی جا رہی ہے جو قریش کے معزز افراد ہیں ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ اس مواخات میں کیا حکمت ومصلحت تھی۔

دونوں میں فرق | لیکن دونوں مواخاتوں میں بہت بڑا فرق ہے جیسا کہ ابن عبدالبر نے لکھا ہے پہلی مواخات حق اور مواسات پر مبنی تھی لیکن ہجرت کے بعد کی مواخات کا مقصد تو افراد واشخاص متعلقہ کو حقیقی اور نسبی بھائیوں جیسا بنانا تھا چنانچہ ان میں توارث بھی ہوتا تھا۔ آیت ذیل میں یہی حکم بیان کیا گیا ہے:-

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجَاهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰٓئِكَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ (انفال)	بے شبہ جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کی اور اللہ کے راستہ میں اپنے مال اور اپنی جانوں سے جہاد کیا اور وہ لوگ جنھوں نے ان لوگوں کو ٹھکانہ دیا اور مدد کی، یہ سب آپس میں ایک دوسرے کے ولی ہیں،

حضرت عبداللہ بن عباس سے روایت ہے اور یہی جمہور علماء ومفسرین کی رائے ہے کہ اس

آیت کے نزول کے بعد توارث کا دار و مدار ہجرت پر تھا۔ لیکن اس کے بعد جب
اُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ (انفال) ارباب قرابت نسبی ایک دوسرے کے (مال میں) زیادہ حقدار ہیں
نازل ہوئی تو وراثت کا مبنیٰ نسبی تعلق ہو گیا۔

اس مواخات کی عملی شکل یہ ہوئی کہ ایک روز نوے صحابہ حضرت انس بن مالک کے گھر میں جمع تھے ان میں مہاجرین اور انصار نصف نصف تھے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں سے انصار کو مخاطب کر کے مہاجرین کی طرف اشارہ کیا اور فرمایا: یہ سب تمھارے بھائی ہیں۔ اس کے بعد ایک ایک انصاری اور ایک ایک مہاجر کا ہاتھ پکڑ پکڑ کر فرماتے گئے کہ یہ اس کا بھائی ہے، لیکن یہ مواخات انھیں نوے حضرات کے درمیان محدود نہ تھی جو اس وقت یہاں موجود تھے۔ بلکہ جو سرے سے مدینہ میں ہی موجود نہ تھے جیسے حضرت جعفر بن ابی طالب جو اس وقت حبشہ میں تھے حضور نے اُن کے اور ایک انصاری کے درمیان بھی مواخات کرائی۔ چنانچہ ابن ہشام نے جو نام گنائے ہیں ابن عبدالبر نے اُن پر بیذرہ حضرات کے ناموں کا اور اضافہ کیا ہے اور یہ تعداد ایک سو تیس تک پہنچ گئی ہے۔

انصار و مہاجرین کا ردِ عمل اس مواخات کے زیر اثر انصار نے جس اخوت و محبت، فیاضی اور ایثار کا اور مہاجرین نے جس احسان شناسی، خود اعتمادی اور عزم و ہمت کا مظاہرہ کیا ہے وہ تاریخ میں پناہ گزینوں اور آباد کاروں کے لئے ہمیشہ آئینۂ عبرت اور سرمایۂ بصیرت بنا رہے گا۔ انصار کا حال یہ تھا کہ جوں ہی آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا ہاتھ مہاجرین کے ہاتھ میں دیا۔ انصار مہاجرین کو گھر لے گئے اور ایک ایک چیز دکھا کر بولے کہ آدھی ہماری ہے اور آدھی تمھاری۔ حضرت عبدالرحمن بن عوف کی مواخات حضرت سعد بن الربیع سے ہوئی تھی۔ یہ حضرت عبدالرحمن کو لے کر گھر آئے اور بولے۔ میں اپنی ہر مملوکہ چیز میں نصف کا

مالک آپ کو بناتا ہوں یہاں تک کہ میری دو بیبیاں ہیں، اُن میں سے ایک کو طلاق دیتا ہوں۔ تاکہ عدت گذرنے کے بعد آپ اُس سے نکاح کر سکیں، لیکن حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے جواب دیا: اللہ تعالیٰ آپ کے اہل و مال میں برکت عطا فرماتے، یہ سب چیزیں آپ کو مبارک ہوں، مجھے تو آپ بازار کا راستہ بتا دیجئے، جب انھیں بازار کا راستہ معلوم ہوگیا تو انھوں نے تجارت شروع کردی اور اُس میں نفع ہوا[1]۔

انصار کے غیر معمولی حسن سلوک کا مہاجرین پر یہ اثر تھا کہ ایک مرتبہ انھوں نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا: "یارسول اللہ! ہم نے انصار سے بڑھ کر شریف اور فیاض کوئی قوم نہیں دیکھی ہم کو اندیشہ ہے کہ کہیں ہمارا ثواب بھی انھیں کو نہ مل جائے۔" آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں! ایسا نہیں ہوگا! تم لوگ جو انصار کے احسان و کرم کا شکریہ اور اُن کے لئے دعائیں کرتے ہو، بس تمھاری طرف سے یہی اُن کے احسان کا بدلہ ہے[2]۔

یہ سلوک تو انصار کا تھا، مہاجرین کا معاملہ یہ تھا کہ ان کی غیرت نے گوارا نہ کیا کہ وہ انصار پر بوجھ بن کر رہیں۔ انصار کھیتی باڑی کا مشغلہ رکھتے تھے، انھوں نے چاہا کہ اپنی زمینوں کو نصفا نصفی تقسیم کرلیں، لیکن چوں کہ مہاجرین اس فن سے ناواقف تھے اس بنا پر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود مہاجرین کی طرف سے اس کی معذرت فرمائی اور پیداوار میں شرکت کی قرارداد ہوگئی، لیکن مہاجرین نے اس پر قناعت نہ کی۔ یہ تجارت پیشہ لوگ تھے، انھوں نے مدینہ میں بھی اسے شروع کردیا۔ اور اُس میں خوب ترقی کی۔ چنانچہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کی تجارت کے فروغ کا یہ عالم تھا کہ اُن کا سامانِ تجارت سات سات سو اونٹوں پر لدکر آتا تھا اور جس روز یہ کارواں مدینہ میں داخل ہوتا شہر میں غلغلہ برپا ہوجاتا تھا[3]۔

---

[1] صحیح بخاری کتاب المناقب باب اخاء النبی صلی اللہ علیہ وسلم و مسند امام احمد ساعاتی اڈیشن ج ۲۱ ص ۷
[2] مسند امام احمد ج ۲۱ ص ۱۰۔
[3] مسند امام احمد ج ۲۲ ص ۲۷۸

ایک مرتبہ انھوں نے اپنی ایک جائداد چالیس ہزار دینار میں حضرت عثمان کے ہاتھ فروخت کی اور اس میں ایک حصہ انھوں نے امہات المومنین کا بھی رکھا، جب حضرت عائشہ کو اس کی اطلاع ہوئی تو انھوں نے ان کو دعا دی اور فرمایا: اے اللہ! عبدالرحمٰن بن عوف کو جنت کی نہر سلسبیل کا پانی پلا ساتھ ہی ان کو یہ خوشخبری بھی سنائی کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے، ایک مرتبہ آپ نے فرمایا: "میرے بعد تم سب (ازواج مطہرات) بی بیوں کی خبرگیری وہی لوگ کریں گے جو سچے اور نیک عمل ہوں گے"۔

(مسند امام احمد ج ۲۲ ص ۲۷۸)

اسی طرح حضرت ابوبکر نے مدینہ کے نواح کے ایک مقام سخ میں اپنی ایک فیکٹری قائم کی تھی۔ حضرت عثمان بنو قینقاع کے مشہور تجارتی بازار میں کاروبار کرتے تھے۔ اور اس میں وہ ترقی کی کہ غنی اُن کے نام کا جزء ہو گیا، علاوہ ازیں حضرت عمر بن الخطاب، حضرت زید بن حارثہ اور بعض اور مہاجرین کی نسبت طبقات ابن سعد اور اسد الغابہ اور صحیح بخاری کی کتاب البیوع سے تجارت اور کاروبار کرنے کا ثبوت ملتا ہے، انصار کا پیشہ اگرچہ فلاحت وزراعت تھا۔ اور اس کی وجہ سے ان میں بھی بڑے بڑے رئیس اور دولتمند تھے۔ لیکن مہاجرین کے دیکھا دیکھی ان میں بھی کاروبار کا ذوق پیدا ہو گیا تھا۔ حضرت ابوہریرہ پر بعض حضرات کو یہ اعتراض تھا کہ وہ روایات کثرت سے کرتے ہیں۔ حضرت ابوہریرہ کو جب اس کا علم ہوا تو فرمایا: "لوگ" بازار میں کاروبار کرتے تھے اور میں شب و روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رہتا تھا۔

کوتاہ نظر سمجھتے ہیں کہ مدینہ میں آنے کے بعد غزوات اور سرایا کا جو سلسلہ شروع ہوا اُس کا ایک محرک مالِ غنیمت کا لالچ بھی تھا، لیکن ابھی جو کچھ عرض کیا گیا اُس سے اس خیال کی تردید ہوتی ہے، جو قوم خود محنت مزدوری کر کے اپنی معاش پیدا کرنے کا جذبہ رکھتی ہو اور اُس میں خود کفالتی ہو اُسے کیا پڑی ہے کہ لوٹ مار کر کے اپنی روزی حاصل کرنے کا سامان

رے، مالِ غنیمت کا حصول جنگ کا نتیجہ تو ہو سکتا ہے، ان لوگوں کے لئے اس کا مقصد ہرگز نہیں ہو سکتا، اور پھر اسلام کی تعلیم بھی یہی تھی، ایک مرتبہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا: بہترین ذریعۂ معاش کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: "الکسب بالیدین" محنت مزدوری کر کے اپنی معاش پیدا کرنا۔ (البلاغ المبین لحافظ ابن حجر کتاب التجارۃ)

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیش نظر سیاسی مسائل

اب جب کہ مہاجرین کی آباد کاری ہو گئی اور وہ سب اپنے اپنے ٹھکانے لگ گئے تو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اہم اور بنیادی امور و مسائل کی طرف توجہ مبذول فرمائی۔ اصولی طور پر یہ معاملات دو قسم کے تھے:۔

(۱) داخلی اور اندرونی تحفظ: (Internal Security)

(۲) خارجی اور بیرونی تحفظات:۔ (External and Territorial Security)

ظاہر ہے سیاسی اعتبار سے آپ کے سامنے سب سے بڑا مرحلہ کفارِ قریش سے نمٹنے کا تھا، لیکن جب تک اندرونی معاملات میں اطمینان اور داخلی تحفظات نہ ہوں بیرونی دشمنوں سے عہدہ برآ ہونا آسان نہیں، اس بنا پر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلے داخلی امن و تحفظات پر توجہ فرمائی، اس سلسلہ میں سب سے زیادہ خطرہ اور اندیشہ مدینہ سوسائٹی کے دو طبقوں سے ہو سکتا تھا: (۱) ایک منافقین جن کو سیاسی اصطلاح میں کالی بھیڑ (Black Sheep) کہہ سکتے ہیں اور (۲) دوسرے یہود جن کی فطرت کو تاریخی تسلسل نے غداری، جعل و فریب اور فتنہ پردازی کے سانچہ میں ڈھال دیا تھا۔ مدینہ میں یہ دونوں طبقے مسلمانوں کے لئے سخت خطرناک بھی تھے اور وہاں کی سماجی اور اقتصادی زندگی میں ان کا عمل دخل اور اثر بھی بہت زیادہ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید میں جس کثرت سے ان دونوں طبقوں اور ان کی دسیسہ کاریوں . . . .

. . . .

کا تذکرہ ہے (کفار مکہ کے علاوہ) کسی اسلام دشمن جماعت یا گروہ کا اس کثرت سے نہیں کیا ان میں سے ایک طبقہ مارِ آستین تھا اور دوسرا گرگِ باراں دیدہ، اب آئیے، یہ دیکھیں کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ساتھ کیا معاملہ کیا :۔

المنافقون: یہ وہ لوگ تھے جو زبان سے اپنے مسلمان ہونے کا اقرار کرتے، لیکن درحقیقت اُن کو اسلام سے دور کا واسطہ بھی نہ تھا۔ اور اس لئے پوشیدہ طور پر وہ اسلام اور مسلمانوں کو نقصان پہنچانے اور اُن کے ساتھ استہزا اور تمسخر کا معاملہ کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کرتے تھے، بنو عبدالاشہل کا قبیلہ تو ایسا تھا کہ اُس میں نہ کوئی مرد منافق تھا اور نہ کوئی عورت! اس کے علاوہ اَوس اور خزرج اور اُن کے ماتحت چھوٹے چھوٹے قبیلے مثلاً بنی عمرو بن عوف، بنی اُمیہ بن زید، بنو حارثہ، بنو النجار، اور یہود ان سب میں تھوڑے بہت منافق تھے، ان سب کا سردار عبداللہ بن اُبَی بن سلول تھا یہ بنی عوف بن الخزرج سے تعلق رکھتا تھا، یہی وہ شخص ہے جس نے غزوۂ بنی المصطلق کے موقع پر کہا تھا کہ " مدینہ واپس لوٹ کر ہم مسلمانوں کو مدینہ سے نکال باہر کریں گے "۔ اسی پر قرآن مجید کی سورۂ المنافقون نازل ہوئی جس میں ان لوگوں کی دسیسہ کاریوں کا پردہ چاک کیا گیا اور اس شخص کے خاص مذکورۂ بالا فقرہ کا اس آیت میں جواب دیا گیا ہے۔

يَقُولُونَ لَئِن رَّجَعْنَا إِلَى الْمَدِينَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْأَعَزُّ مِنْهَا الْأَذَلَّ ۚ وَلِلَّهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُولِهِ وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَلَٰكِنَّ الْمُنَافِقِينَ لَا يَعْلَمُونَ ۝

یہ منافق کہتے ہیں کہ ہم مدینہ پہنچے نہیں کہ عزت والا وہاں سے ذلیل کو نکال دے گا، حالانکہ اصل عزت تو اللہ، اُس کے رسول اور مومنوں کی ہے۔ لیکن منافق نہیں جانتے۔

اسی سورۃ کی ایک اور آیت میں فرمایا گیا :

هُمُ الَّذِينَ يَقُولُونَ لَا تُنفِقُوا عَلَىٰ مَنْ عِندَ رَسُولِ اللَّهِ حَتَّىٰ يَنفَضُّوا ۗ وَلِلَّهِ خَزَائِنُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَلَٰكِنَّ

یہی وہ لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ جو لوگ رسول اللہ کے پاس ہیں اُن پر خرچ نہ کرو، یہاں تک کہ وہ تتر بتر ہو جائیں حالانکہ آسمانوں اور

الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَفْقَهُوْنَ ○ زمین کے خزانے اللہ ہی کے ہیں۔ لیکن منافق نہیں سمجھتے ،

ان تمام باتوں کے باوجود یہ لوگ کسی طرح آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں آکر بیٹھتے، سراپا گوش اور ہمہ تن خشوع وخضوع بن کر ارشادات گرامی کو سنتے، اور حضور بھی ان کے بہروپیے پن کی وجہ سے جب یہ کوئی بات کہتے تو توجہ سے سنتے تھے، قرآن نے اس پوری سرگذشت کو نہایت بلیغ پیرایہ میں بیان کیا ہے، ارشاد ہوتا ہے :-

وَاِذَا رَاَيْتَهُمْ تُعْجِبُكَ اَجْسَامُهُمْ ط وَاِنْ يَّقُوْلُوْا تَسْمَعْ لِقَوْلِهِمْ ط كَاَنَّهُمْ خُشُبٌ مُّسَنَّدَةٌ ط يَحْسَبُوْنَ كُلَّ صَيْحَةٍ عَلَيْهِمْ ط

اور اے محمد جب آپ ان لوگوں کو دیکھتے ہیں تو اُن کے ڈیل ڈول آپ کی نظروں میں کھپ جاتے ہیں اور (اسی وجہ سے) وہ کوئی بات کہتے ہیں تو آپ اُس پر کان دھرتے ہیں ، یہ (بیٹھتے ہیں تو اس ادب واحترام کے ساتھ) گویا بے حس وحرکت ٹیک لگی لکڑی ہیں اور (ان کی نمائشی خشیت کا یہ عالم ہے) کوئی سی ہی چیخ ہو ، یہ سمجھتے ہیں کہ اُس کا نشانہ وہی ہیں۔

اب اللہ تعالیٰ ان کے مکر وفریب اور دورخی کا پردہ چاک کرتا اور حضور کو ان سے ہشیار رہنے کا حکم کرتا ہے :

هُمُ الْعَدُوُّ فَاحْذَرْهُمْ ط قَاتَلَهُمُ اللّٰهُ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ○

(اے محمد) یہ لوگ آپ کے دشمن ہیں اس لئے آپ ان سے ہوشیار رہیں ان لوگوں پر خدا کی مار ، یہ بہکے بہکے کدھر جا رہے ہیں ،

اللہ تعالیٰ کی اس تنبیہ اور اعلان کے مطابق آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کے متعلق جو رویہ اختیار فرمایا وہ یہ تھا کہ

(۱) آپ ہمیشہ ان کی طرف سے چوکنے اور ہوشیار رہتے۔ ان کے اعمال و افعال پر کڑی نظر رکھتے اور اُن کے حرکات و سکنات کی نگرانی کرتے تھے۔

(۲) اسلام یا مسلمانوں کی نسبت یہ لوگ جو بیہودہ باتیں کہتے رہتے تھے، نام لیے بغیر قرآن ان کی تردید کرتا رہتا تھا۔

(۳) لیکن بظاہر عجیب بات یہ ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ کبھی کسی منافق کو قتل کیا نہ جلا وطن کیا اور نہ کبھی کوئی سزا دی، یہ سب کچھ تو درکنار! آپ نے ان لوگوں کے جنازہ کی نماز پڑھی اور اُن کے لئے استغفار کی ہے، پھر جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس پر ٹوکا اور یہاں تک جتا دیا کہ اگر آپ ستر مرتبہ بھی استغفار کریں گے تو اللہ تب بھی ان منافقوں کی مغفرت ہرگز نہیں کرے گا" تو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس سے رُک گئے۔

ہمارے مفسرین اور مورخین منافقوں کے ساتھ حضور کے اس معاملہ اور برتاؤ پر سرسری طور پر گذر گئے ہیں۔ حالانکہ یہ ایک نہایت اہم معاملہ ہے جس سے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس سے رک گئے۔

ہمارے مفسرین اور مورخین منافقوں کے ساتھ حضور کے اس معاملہ اور برتاؤ پر سرسری طور پر گذر گئے ہیں۔ حالانکہ یہ ایک نہایت اہم معاملہ ہے جس سے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کمالِ تدبر و سیاست اور غیر معمولی حلم و فراست کا ثبوت ملتا ہے ہمارے نزدیک اس کے وجوہ و اسباب حسب ذیل تھے:۔

(۱) آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو منظور کلمہ کی لاج رکھنا تھا۔ ان لوگوں کے دلوں میں اسلام اور حضور کی نسبت کیسا ہی کینہ کپٹ ہو بہرحال زبان سے یہ کلمہ پڑھتے اور مسلمانوں کے ساتھ ملے جلے رہتے تھے حضور کو یا آپ کے ہر وقت کے ساتھیوں اور محرمانِ راز کو تو معلوم تھا کہ قرآن جن لوگوں کو باربار منافق کہہ رہا اور اُن کے شر سے آگاہ کر رہا ہے اُس کا مصداق کون ہیں۔ لیکن عام مسلمانوں اور غیر مسلموں کو اس کا علم نہیں تھا۔ اس بنا پر

حضور کو خیال ہوا کہ اگر آپ نے ان لوگوں کے ساتھ تشدد کا معاملہ کیا تو اس سے ناواقف مسلمانوں میں بددلی پیدا ہوگی اور غیر مسلموں کو زبانِ طعن دراز کرنے کا موقع ملے گا، چنانچہ ایک روایت میں حضور نے اس خیال کا اظہار فرمایا بھی ہے۔

(۲) رحمتِ عالم کی افتادِ طبع اور مزاج ہی کچھ ایسا تھا کہ جس نے جھوٹ موٹ کو بھی کلمہ پڑھ لیا آپ اُس کے ساتھ وسعتِ قلب اور مدارات و رواداری کا معاملہ کرتے تھے۔ چنانچہ مولفۃ القلوب اور اعراب مدینہ جن کے متعلق قرآن میں قالت الاعراب آمنا، قل لم تومنوا ..... الآیۃ فرمایا گیا ہے ان کے ساتھ بھی حضور نے تسامح اور اغماض و چشم پوشی کا ہی معاملہ کیا اور اسی بنا پر ایک موقع پر آپ نے "ھلا شققت قلبہ" تو پھر تو نے اُس کا دل چیر کر کیوں نہیں دیکھ لیا، فرمایا

(۳) منافقوں کی انصار سے قرابت اور رشتہ داریاں تھیں، آپ نے خیال فرمایا کہ اگر ان کو سزائیں (جلا وطنی یا قتل) دی گئیں تو طبعی طور پر انصار کو اس کا ملال اور رنج ہوگا۔

(۴) آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو توقع تھی کہ اسلام کی طاقت و قوت میں جوں جوں اضافہ ہوگا اور منافقوں کو آپ کی صحبت میں بیٹھنے اور مسلمانوں سے ملنے جلنے کے مواقع جتنے زیادہ ملیں گے اسی قدر ان لوگوں کی اصلاح ہوتی رہے گی۔ چنانچہ ایسا ہوا بھی، اسلام کی ترقی کے ساتھ ساتھ اس جماعت میں کمی ہوتی رہی۔ (باقی)

گذارش

خریداری برہان یا ندوۃ المصنفین کی ممبری کے سلسلہ میں خط و کتابت کرتے وقت یا منی آرڈر کوپن پر برہان کی چٹ نمبر کا حوالہ دینا نہ بھولیں تاکہ تعمیل ارشاد میں تاخیر نہ ہو ——— ادارہ کے قواعد و ضوابط مفت طلب فرمائیے۔